تفسیر اور اسکے مادے کے مقلوبات کے معانی میں باہمی اشتراکات

محمد صادق
لیکچرار شعبہ اسلامیات
وفاقی اردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس وٹیکنالوجی، کراچی

تفسیر، ثلاثی مزید فیہ کے باب تفعیل کے وزن پر مصدر ہے اور اس کے اصل حروف (مادہ) "ف، س، ر" ہیں۔ اس میں تا اور یا دو حرف زائدہ ہیں۔ قرآن مجید میں لفظ تفسیر صرف ایک مرتبہ (۱) سورہ فرقان میں آیا ہے:

ولا یاتونک بمثل الا جئنٰک بالحق واحسن تفسیرا

ترجمہ: اور یہ لوگ تمہارے پاس جو (اعتراض کی) جو بات لاتے ہیں، ہم تمہارے پاس اسکا معقول اور خوب مشرح جواب بھیج دیتے ہیں۔" (۲) (۲۵:۳۳)

تفسیر کے علاوہ فسر کا کوئی اور مشتق قرآن میں نہیں آیا۔ عربی زبان میں "ف س ر" کا مادہ اظہار بیان اور توضیح وتشریح کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لغوی اعتبار سے تفسیر ان ہی معانی میں استعمال ہوتا ہے جس کے لیے موجودہ دور میں تحقیق (ریسرچ) مستعمل ہے۔ اس مضمون میں عربی اردو کی مشہور لغت "مصباح اللغات" (۳) سے "ف س ر" اور اس مادے سے مقلوب مزید پانچ مادوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ یہاں ہم تفسیر کے اصطلاحی مفہوم سے بحث نہیں کر رہے صرف لغوی مفہوم بیان کرنا مقصود ہے۔ اصطلاحی طور پر تفسیر قرآن کے لیے مخصوص ہے۔ "ف س ر" سے فسر کے علاوہ مقلوب کر کے مندرجہ ذیل مزید مصادر بن سکتے ہیں:

۱۔ فسر ۲۔ سفر ۳۔ فرس ۴۔ سرف ۵۔ رفس ۶۔ رسف

۱۔ فسر

(الف) فَسَرَ الْاَمْرَ: کسی معاملے کو واضح کرنا، ظاہر کرنا

فسر اصل میں توضیح اور اظہار کے معانی میں ہی استعمال ہوتا ہے۔ دیگر معانی درحقیقت انہی کی فروعات ہیں۔

(ب) فسر المُغطّٰی: ڈھکی ہوئی چیز کو کھول دینا

غطاء وغلاف، پردے اور سرپوش کو کہتے ہیں اور اس سے مغطی ہے جس کے معنی ہیں ڈھکی ہوئی چیز اس لیے فسر المغطی کے معنی ہوئے ڈھکی ہوئی چیز سے پردے کو ہٹا کر چھپی ہوئی حقیقت کو آشکارا کرنا۔ دراصل حقیقت متعدد عوامل کی وجہ سے بظاہر نظروں سے اوجھل ہوجاتی ہے۔ ایسے عوامل کی نشاندہی کر کے حقیقت کو تاریکی کے پردوں سے نکال کر واضح کرنے کا نام تفسیر ہے۔

(ج) فسر الطَّبِیْبُ: طبیب کا قارورہ دیکھنا

تفسرۃ تبصرۃ کے وزن پر مریض کے پیشاب اور ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے دوسرے پر استدلال کریں۔ قدیم زمانے میں اطباء عموماً مریض کی نبض یا پیشاب دیکھ کر مرض کی تشخیص کرتے تھے۔ اس لیے فسر الطبیب کا مطلب ہے طبیب کا قارورہ دیکھ کر مرض کی تشخیص کرنا یعنی تفسیر کا مطلب ہے کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے تمام دستیاب اسباب وذرائع کو استعمال کیا جائے اور اپنی رائے کو ہر قسم کے دلائل سے مستحکم کر کے پیش کیا جائے۔

(د) تفسیر: واضح کرنا، ظاہر کرنا

تفسیر مصدر ہے اور اسکی جمع تفاسیر ہے اور یہ تاویل، کشف، وضاحت، بیان اور شرح کے معانی مستعمل ہے۔ موجودہ دور میں تفسیر صرف قرآن کی توضیح کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن پہلے قرآن کے علاوہ دیگر کتب کی شرح کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا اور "شرح" کا مرادف (۴) تھا۔ جیسے فخر الرازی کی تفسیر المغطی، ابو الوفاء البوز جانی کی دیوفنطس کے صناعۃ الجبر اور الخوارزمی کی کتاب جبر ومقابلہ کی تفسیر، مشہور طبیب محمد بن زکریا الرازی کی افلاطون کی کتاب "طیماوس" کی تفسیر مولانا طوطرخس کی تفسیر التفسیر اور تفسیر کتاب بطلیوس فی تسطیح الکرۃ (۵) قابل ذکر ہیں۔

بقول مقالہ نگار "اردو دائرہ معارف اسلامیہ" بعنوان "تفسیر":

"مسیحی عالم حنین بن اسحاق ترجمہ وتفسیر میں یدطولیٰ رکھتا تھا۔ یونانی علوم کی اکثر مشہور کتابوں اور اسی طرح عربی کی چند کتابوں کی تفسیر لکھی گئیں۔ ان تفسیروں کا عربی ترجمہ ہوا یا عربی زبان میں لکھی گئیں۔" (۶)

(ہ) حرفا التفسیر:

اَیْ (یعنی) اور اَنْ (یہ کہ) تفسیری حروف کہلاتے ہیں۔ انہی سے مبہم لفظ کی وضاحت کی جاتی ہے جیسے ھذا العسجد ای ذھب (یہ عسجد یعنی سونا ہے)

رأیتُ غضنفرًا أی اسدًا (میں نے غضنفر یعنی شیر دیکھا)

ان سے کسی قول کے مراد کی وضاحت کیجاتی ہے جیسے ان اذنتُک ان افعل کذا (میں نے تمہیں اس لیے بلایا تھا کہ تم یہ کام کرو)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فاوحینا الیہ ان اصنع الفلک باعیننا ووحینا

ترجمہ: ''پس ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے سامنے اور ہمارے حکم سے ایک کشتی بناؤ'' (۷)

(د) استفسار: پوچھنا، وضاحت چاہنا

یہ استفعال کے باب سے ہے، جس میں طلب کے معنی پائے جاتے ہیں یعنی کسی حقیقت تک اگر کوئی اپنے مطالعے یا تحقیق کی مدد سے نہ پہنچ سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ ضروری ہے کہ دیگر محققین سے اس موضوع پر تبادلہ خیال کر کے ان کی آراء سے استفادہ کیا جائے۔ بعض محققین اس بات کو کسرِ شان سمجھتے ہیں اور اس میں اپنی سبکی محسوس کرتے ہیں کہ دیگر ہم عصر محققین سے کسی مسئلہ پر استفسار کریں جبکہ کسی مسئلے کی وضاحت کے لیے تو عام افراد سے بھی استفسار کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ہم تجارت کے حوالے سے کسی مسئلے پر تحقیق کر رہے ہیں تو تاجروں سے اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں استفسار کیے بغیر ہم کسی صحیح رائے تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔

(ز) تفسّر: نہایت باریک بینی اور تدقیق کیساتھ وضاحت چاہنا

تفسّر تفعّل کے باب سے ہے، جس میں کوئی بھی کام بتکلف کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں یعنی محقق کے لیے کسی امر کا محض استفسار کافی نہیں ہے بلکہ حقیقت تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ زیرِ بحث موضوع کی مختلف فروعات سے متعلق سوالات مرتب کر کے ان کے جوابات حاصل کیے جاتے ہیں۔ مفروضوں سے بھی کام لینا پڑے تو دریغ نہ کیا جائے۔ ایک موضوع کے مختلف پہلوؤں سے متعلق غور و خوض کیا جائے اور بظاہر غیر متعلق نظر آنے والی چیزوں کو بھی کھنگال لیا جائے کہ شاید ان کا بھی زیرِ بحث موضوع سے کوئی تعلق نکل آئے اور موضوع سے متعلق کسی پہلو کو تشنہ نہ چھوڑا جائے خواہ اس کے لیے کتنا ہی تکلف گوارا کرنا پڑے۔

(ح) افسرت الفرس: گھوڑے کی زین وغیرہ اتار کر اسے چھوڑ دینا تاکہ آزادی سے گھومے پھرے۔

ابو حیان نے ''البحر المحیط'' (۸) میں تفسیر کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا ہے۔ یعنی محقق کو کسی بھی موضوع پر ہر پہلو سے سوچنے کی آزادی ہونی چاہیے۔ اس کی سوچ پر پہرے بٹھانا غلط ہے۔ اس اپنی رائے پوری آزادی سے پیش کرنے کا حق ہونا چاہیے۔ محقق کو مسلکی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی بندھنوں میں جکڑ کر رکھنا اور جان و مال کے خطرات سے دوچار کرنا ظلم ہے اور اس کا نتیجہ کسی بھی قوم کے لیے نہایت بھیانک نکلتا ہے۔ چرچ اور سائنس کی کشمکش کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ وہاں کلیسا کے غیر حکیمانہ رویے نے لوگوں کو مذہب سے ہی بیزار کر دیا۔

اسلامی تاریخ میں خوارج اور معتزلہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں کہ تشدد کی وجہ سے ان کا مسلک ہی ناپید ہو گیا۔

(۲) سفر

(الف) سفر الرجل: سفر کرنا

(ب) سفر الصبح: صبح کا روشن ہونا

سفر کو سفر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے بہت سی اشیاء اور مقامات کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہے اور اس سے روشن صبح کی طرح، جہالت کی تاریکیوں کے پردے چاک ہو جاتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی (۹) کے نزدیک فسر اور سفر دونوں متقارب المعنی ہیں تاہم دونوں میں فرق یہ ہے کہ ''سفر'' مادی اشیاء کے کشف اور اظہار کے لیے اور ''فسر'' معانی کی وضاحت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(ج) سفرت المرأۃ: عورت کا چہرہ کھولنا

عورت کا نقاب ہٹا کر اپنا چہرہ کھولنا، اس بات کی علامت ہے کہ اس کے چہرے کے تمام محاسن اور خامیوں کو پرکھا جاسکتا ہے۔ اس لیے عربی زبان میں ''مسافر الوجہ'' چہرے کے ان حصوں کو کہا جاتا ہے جو نمایاں ہوتے ہیں یعنی تحقیقی سفر سے بالآخر پوشیدہ حقائق بے نقاب ہو جاتے ہیں اور ان کی تمام جزئیات نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔

(د) سفر البیت: گھر میں جھاڑو دینا

(ہ) السُّفارۃ: جھاڑو دینے سے جمع کیا ہوا کوڑا کرکٹ

(و) مِسفرۃ: جھاڑو

گھر کو جھاڑو دیکر صاف کرنے کو ''سفر'' اس لیے کہتے ہیں کہ گرد و غبار، کوڑا کرکٹ اور گندگی سے گھر کی اصل حالت نظروں سے پوشیدہ ہو جاتی ہے مگر صفائی ظاہر کر دیتی ہے اور گھر کی حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ اسی طرح سے تحقیق میں صفائی از حد ضروری ہے غیر مستند مواد کو کوڑا کرکٹ کی طرح تنقید کی جھاڑو سے صاف کرنا ضروری ہے۔

(ز) سفر الحرب: لڑائی کا ختم ہونا

(ح) اسفر الحرب: لڑائی کا سخت ہونا

لڑائی یا جنگ ایک ایسی چیز ہے جو ہر ایک کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ جب عروج پر ہو تو بھی اسے محسوس کیا جاتا ہے اور جہاں ختم ہو جائے تو یہ بھی بالکل واضح ہوتا ہے۔ اس لیے جنگ ختم ہونے کو سفر الحرب اور لڑائی سخت ہونے کو اسفر الحرب کہا جاتا ہے۔ جب بھی کسی مختلف فیہ مسئلہ پر تحقیق کی جاتی ہے تو سخت تنازع اور کشیدگی کی فضا پیدا ہو جاتی ہے مگر فتح دلیل کی ہوتی ہے۔ قوی دلائل کے سامنے سب کو خاموش ہونا پڑتا ہے۔

(ط) سفر الریح الغیم: ہوا کا بادل کو اڑا دینا

مطلع ابر آلود ہوتا ہے تو کسی قدر اندھیرا ہوتا مگر جب تیز ہوائیں چلنے سے مطلع صاف ہو جائے اور بادل چھٹ جائیں تو ہر چیز صاف نظر آنے لگتی ہے۔ اسی طرح سے تحقیقی فضاء، تقلید جامد اور کم علمی سے آلودہ سوچ کو اڑا کر رکھ دیتی ہے اور بالآخر حقیقت کا مطلع بالکل صاف کر دیتی ہے۔

(ی) سفر الشئ: کسی چیز کو جدا جدا کرنا

مختلف اچھی اور خراب چیزیں جب باہم مل جائیں تو ان میں تمیز مشکل ہو جاتی ہے مگر جب انہیں علیحدہ کر دیا جائے کھرے کھوٹے کا فرق صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ تحقیق کی اصل غرض میں یہ ہے کہ صحیح اور غلط کو ایک دوسرے سے جدا کیا جائے اور ثابت شدہ درست حقائق کو علیحدہ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ انہیں پہنچانے میں سہولت ہو۔

(ک) سفر البعیر: اونٹ کی ناک میں نکیل ڈالنا، اونٹ کو کھیت کے نچلے حصے میں چرانا۔

محقق شتر بے مہار نہیں ہوتا کہ جو اس کے دل میں آئے لکھتا چلا جائے بلکہ تحقیقی اصول وضوابط کا پابند ہوتا ہے۔ اس کی نکیل تحقیقی اصول وضوابط ہوتے ہیں۔ پھر وہ اونٹ جسے نکیل ڈالی ہوتی ہے کسی دوسرے کے کھیت میں نہیں چرتا بلکہ اپنی مخصوص چراگاہ تک محدود رہتا ہے بالکل اسی طرح سے ایک محقق اپنے تحقیقی میدان سے تجاوز نہیں کرتا اور اپنے موضوع بحث سے نہیں ہٹتا۔

(ل) سفر بین القوم: لوگوں میں صلح کرانا

(م) سفیر: ایلچی، دو قوموں کے درمیان صلح کرانے والا ج سفراء

(ن) السفارۃ: ایلچی گری، قوموں کے درمیان صلح کرانا

ایلچی کو سفیر اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ کسی بھی قوم کا نمایاں فرد ہوتا ہے اور ہر تنازع کو حل کرنے میں پیش پیش ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح ایک محقق متنازع فیہ مسائل میں مختلف طریقوں کے دلائل کا مطالعہ کر کے ایک مدلل رائے پیش کرتا ہے۔ اس طرح سے باہم دست وگریباں افراد کو شیر وشکر کر دیتا ہے۔ سفارت کاری دراصل اسی بات کا نام ہے کہ کسی تنازع کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کر کے، دلائل کی روشنی میں اپنے موقف کو پیش کیا جائے۔

(س) سفر الکتاب: لکھنا

(ع) سفر: بڑی کتاب، توریت کے اجزاء میں سے ایک جز ج اسفار

(ف) السفورۃ: تختی کے جس پر حساب لکھیں اور نقل کرنے کے بعد مٹادیں۔ ان تینوں الفاظ میں بھی وضاحت کے معانی پائے جاتے ہیں کیونکہ کتاب اور تختی میں ہر چیز واضح اور جلی حروف میں لکھی ہوتی ہے۔

سفر کے دیگر مشتقات میں بھی اظہار وکشف کے معانی پائے جاتے ہیں جیسے

(ص) سفر الوجہ: چہرہ خوبصورت ومنور ہونا

(ق) السفر مقدم راسہ: سر کے اگلے حصے کے بال جھڑنا

(ر) اسفر الشجر: پتے گرنا

(ش) السفر: جسم انسانی کا داغ ج سُفُور

(ت) السفرۃ: زادِ سفر، دسترخوان ج سُفَر

(ص) السفار والسفارۃ: مہار، چمڑا یا لوہا جس کو اونٹ کی ناک پر رکھتے ہیں ج اسفرۃ وسفائر

(۳) فرس

(الف) افرس فراسۃ بالعین: ظاہر نظر سے باطن کو معلوم کرنا

(ب) فرُس فراسۃ: شہسواری میں ماہر ہونا

(ج) الفارس: شہسوار کہا جاتا ہے "ھو فارس بالامر" وہ معاملے کا جاننے والا ہے

(د) الافرس: شہسواری کا ماہر، زیادہ سمجھدار

(ہ) فرس الشئ: جدا جدا کرنا

(و) فرس الاسد فریسۃ: شیر کا اپنے شکار کی گردن کو توڑ دینا

(ز) الفرسۃ: پھوڑا جو گردن میں ہوتا ہے

(ح) الفریس: مقتول، شکار، حلقہ جو ری کے سرے پر باندھا جاتا ہے

(ط) الفراس: ذکی، ذہین

(ک) افرس عن بقیۃ مال: مال لیکر کچھ باقی چھوڑ دینا

(ل) افرس فلان الاسد حمارہ: اپنی جان بچانے کے لیے گدھے کو شکار کے لیے شیر کے سامنے کرنا

(م) افرس الراعی: چرواہے کا گلے کی حفاظت سے غافل ہونا۔

(ن) تفرّس فیہ: نظر جما کر دیکھنا

(س) تفرس فیہ الخیر: کسی کے اندر علامت سے خیر پہچاننا

فرس یا فراست میں فسر اور سفر کی طرح توضیح، تشریح اور اظہار کے معانی پائے جاتے ہیں مگر فسر اور سفر کی بہ نسبت، فراست میں گہرائی میں جا کر مہارت اور تدقیق کیساتھ کسی چیز کی وضاحت حاصل ہوتی ہے۔ گویا فراست اس مہارت کا نام ہے جو کسی فن یا معاملے میں بہت زیادہ توجہ اور محنت کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ فراست کی بدولت کسی بھی فن کا ماہر بڑی آسانی اور عمدگی سے اپنے فرائض سرانجام دیتا ہے اور اپنے شعبے سے متعلق صحیح یا غلط امور کو ذرا سی توجہ سے معلوم کر لیتا ہے بلکہ ایک تجربہ کار جوہری کی طرح ایک نظر ڈال کر کھرے کھوٹے کو پہچان لیتا ہے اور بعض اوقات دلیل معلوم نہ ہونے کے باوجود اس کا ذہن اپنی فراست ومہارت کی بدولت کسی مسئلے کو قبول نہیں کرتا جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی "اشعۃ اللمعات" کے مقدمے میں معلل حدیث کی بحث میں فرماتے

ہیں:

"اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ متکلم (نفس بیان کرنے والا) کی عبارت حجت اور دلیل کے قائم کرنے سے قاصر ہوتی ہے اور وہ علت وتفتیش کی تنقیح وتعیین نہیں کرسکتا۔ جس طرح بعض اوقات صراف درہم و دینار کو کھوٹا کھرا ظاہر کرنے کی وضاحت نہیں کرسکتا۔" (۱۰)

کوئی محقق اپنی فراست ومہارت کی بدولت بغیر دلیل کے کسی مسئلے پر ذاتی طور پر کوئی رائے تو قائم کرسکتا ہے مگر دوسرں کے لیے اس کی رائے حجت نہیں ہوگی اسے بہر حال دلیل پیش کرنی ہوگی۔

فرس کے ایک معنی شہسواری میں ماہر ہونا بھی ہے یعنی ایک محقق ماہر شہسوار کی طرح تحقیق کے جس میدان میں بھی چلا جائے کامیابیوں کے جھنڈے گاڑ دیتا ہے۔ اسے تحقیق پر پورا قابو ہوتا ہے جہاں چاہے اس کی باگیں موڑ کر رواں دواں ہوجاتا ہے۔ اڑیل گھوڑے کی طرح موضوع کتنا ہی پیچیدہ اور گنجلک کیوں نہ ہو، وہ ایک تیچھے پر پیچ کرکے دم لیتا ہے اور اس کے تمام پہلو اس کی گرفت میں ہوتے ہیں۔

فرس کے معنی شکار کے بھی ہیں۔ ایک شیر مکمل صبر اور محنت کے ساتھ اپنے شکار کی منصوبہ بندی کرتا ہے اور پھر پوری جرأت کے ساتھ حملہ آور ہوتا ہے اور ایک ہی جست میں اپنے شکار کو قابو کرلیتا ہے۔ بالکل اسی طرح سے ایک محقق کو صبر اور جانفشانی سے تحقیقی اصولوں کو مدنظر رکھ کر موضوع زیر بحث کا خاکہ تیار کرنا چاہیے اور پھر پوری ہمت کیساتھ تحقیق میں جٹ جانا چاہیے اور موضوع کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں لیکر اپنی رائے کو پیش کرنا چاہیے جو شیر کے شکار کی طرح اس کی اپنی دریافت ہو، کسی کا پس خوردہ نہ ہو۔

فسر، سفر اور فرس کے مادوں کی نسبت رسف، رفس اور سرف میں اظہار اور توضیح کے معانی کسی قدر کم پائے جاتے ہیں۔

(۴) رسف

(الف) رسف: پاؤں بندھے ہوئے کی طرح چلنا

(ب) رسف الدابة: بندھے ہوئے پاؤں والے جانور کو ہانکنا

(ج) ارتسف الشی، بلند ہونا

بلند ہونے میں تو اظہار کے معنی واضح ہیں اسی طرح سے بندھے ہوئے پاؤں والے جانور کی چال و دیگر جانوروں کی نسبت زیادہ نمایاں اور واضح ہوتی ہے۔

(۵) رفس

(الف) رفس: چھتے پر مارنا

(ب) رفس البعیر: اونٹ کے پاؤں باندھنا

(ج) رفس اللحم: گوشت کا قیمہ کرنا

(د) افاس: اونٹ کے پاؤں باندھنے کی رسی

(و) رفوس: دولتی مارنے والی اونٹنی

ان الفاظ میں بھی کسی قدر اظہار وبیان کے معانی پائے جاتے ہیں

(۶) سرف

(الف) سرف: کیڑے کا درخت کے پتوں کو چاٹ جانا

(ب) سرف الام ولد ها: ماں کا بچے کو زیادہ دودھ پلا کر بیمار کرنا

(ج) سرف: بیکار چھوڑنا، جاہل ہونا، خطا کرنا، گھن لگنا، شراب کا حریص ہونا

(د) اسرف: فضول خرچی کرنا، حد سے تجاوز کرنا، زیادتی کرنا، خطا کرنا، جاہل ہونا، غافل ہونا

(ہ) السرفة: گھن: سرخ جسم اور کالے سر والا کیڑا جو چھوٹی لکڑیوں کو اپنے لعاب سے جوڑ کر گھر بناتا ہے اور داخل ہوکر مرجاتا ہے۔ اسی سے مثال ہے "ھو اصنع من سرفة" وہ سرفہ سے زیادہ کاریگر ہے۔

(و) السروف: سخت اور بڑا

(ز) السریف: انگور کے بیل کی قطار

اسراف اور گھن لگنے میں واضح طور پر اظہار کے معنی پائے جاتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن، مولف محمد فواد عبدالباقی مطبوعہ منشورات ذوی القربی طبع دوم ۱۴۲۳ھ صفحہ نمبر ۶۵۹

۲۔ ترجمہ فتح الحمید از مولانا فتح محمد جالندھری مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ

۳۔ مصباح اللغات مرتب مولانا ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی ناشر محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ زیر اہتمام دانشگاہ پنجاب، لاہور جلد ۹ طبع اول ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء، صفحہ نمبر ۲۸۸۔ ۲۸۹

۵۔ ایضاً

۶۔ ایضاً

۷۔ سورۃ المومنون ۲۳: ۲۷ ترجمہ فتح الحمید

۸۔ زمخشری کی تفسیر الکشاف۔ ایک تحلیلی جائزہ، پروفیسر فضل الرحمٰن، دینیات فیکلٹی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی

گجرات، بھارت ۱۹۸۲ء صفحہ نمبر ۷

۹۔ ایضاً صفحہ نمبر ۹

۱۰۔ اشعۃ اللمعات اردو ترجمہ، تقدیم مولانا محمد سعید احمد نقشبندی، فرید بک اسٹال اردو بازار لاہور، سال اشاعت ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء صفحہ نمبر ۱۳۲

ہزار خوف ہو، لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق
ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں؟
فقط یہ بات، کہ پیر مغاں ہے مرد خلیق!
علاج ضعف یقین ان سے ہو نہیں سکتا
غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکتہ ہائے دقیق!
مرید سادہ تو رو رو کے ہوگیا تائب
خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق
اسی طلسم کہن میں اسیر ہے آدم
بغل میں اس کی ہیں اب تک بتان عہد عتیق
مرے لیے تو ہے اقرار باللساں بھی بہت
ہزار شکر، کہ ملا ہیں صاحب تصدیق!
اگر ہو عشق، تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو، تو مرد مسلماں بھی کافر و زندیق

قرآن حکیم میں خرقِ عادت اسلوبِ تشبیب وادبیت

محمد اعظم سعیدی

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قرآن مجید کے اسلوب بدیع کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

قرآن مجید کو دوسری کتابوں کے متن کی طرح نہ تو مختلف ابواب وفصول میں تقسیم کیا گیا ہے اور نہ ہی جملہ مطالب ایک فصل میں ذکر کیے گئے ہیں کہ ہر شخص اس میں سے اپنے مطلب کی چیز معلوم کرلے، بلکہ قرآن مجید کو مکتوبات کا مجموعہ فرض کیجیے جیسے ایک بادشاہ مقتضائے حال کی مناسبت سے رعایا کے نام ایک فرمان جاری کرتا ہے پھر دوسرا تیسرا فرمان جاری کرتا ہے، اس طرح بے شمار فرامین جمع ہوجاتے ہیں۔ پھر ایک شخص ان تمام فرامین کو مجموعہ کی شکل میں جمع کرلیتا ہے اسی طرح مالک مطلق رب تعالیٰ نے مقتضائے حال کے مطابق اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یکے بعد دیگرے آیات نازل فرمائیں جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورتوں کی شکل میں مرتب کروادیا پھر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں خاص ترتیب سے ایک جلد میں جمع کرکے اس کا نام مصحف رکھا گیا۔(۱)

سورتوں کے آغاز واختتام میں اسلوب کے حوالے سے بادشاہوں کے فرامین کے طریقے کی رعایت کی گئی ہے، جس طرح بعض مکتوبات اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء سے شروع کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں کو حمد وتسبیح سے شروع فرمایا ہے، بعض مکتوبات کو بغرض املاء شروع کرتے

ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں کو اس کے املاء کی غرض کے بیان سے شروع کیا اور فرمایا ذالک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین (۲) یا فرمایا سورۃ انزلنھا وفرضنھا (۳) صلح حدیبیہ کے میثاق میں بالکل اسی کی مطابقت میں حضور اکرم ﷺ نے تحریر فرمایا ھٰذا ما قاضیٰ علیہ محمد رسول اللہ (۴)۔۔۔۔۔۔۔۔اسی طرح بعض سورتوں کو بغیر کسی عنوان

کے خطوط ورقعات کے طریق پر شروع کیا گیا ہے جیسے ارشاد فرمایا اذا جاءک المنافقون (۵) یا یھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک (۶) قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجھا (۷)

اہل عرب کی فصیحانہ شہرت کا منہ بولتا ثبوت ان کے قصیدے تھے، قصائد کے آغاز میں عجائبات فن، ہولناک مواقع اور نادر مواقع وتماثیل کو بطور تشبیب ذکر کرنا ان کی قدیم رسم تھی، اسی لئے بعض سورتوں کے آغاز میں اسلوب تشبیب کو اختیار کیا گیا ہے جیسے والصّٰفّٰت صفا O فالزّٰجرٰت زجرا (۸) جیسے اذا الشمس کورت واذا النجوم انکدرت (۹)۔۔۔۔ نیز جس طرح مکتوبات کے اختتام یا تتمہ کو جوامع کلم، نوادر وصایا، احکامات مرقومہ کی تاکید اور ان کی مخالفت پر تہدید کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔ بعینہ اسی اسلوب تشبیب پر بعض سورتوں کے اواخر کو جوامع کلم ومنابع حکم، نادر وصایا، تاکید بلیغ اور تہدید عظیم پر ختم فرمایا گیا ہے۔ کبھی عظیم الفوائد، بدیع الاسلوب کلام بلیغ کو سورت کے وسط میں بطور حمد وثنا، تسبیح وتہلیل، ذکر انعامات اور عطائے انعامات کے بیان سے شروع کیا ہے، جیسا کہ خالق ومخلوق کے مراتب میں تباین (فرق) کو سورۂ نمل کے وسط میں اس طرح شروع کیا گیا ہے۔ قل الحمد للہ وسلٰم علی عبادہ الذین اصطفیٰ اللہ خیر اما یشرکون (آیت ۵۹) اس کے بعد والی پانچ آیتوں میں اس دعا کو انتہائی بلیغ وجہ اور بدیع اسلوب سے بیان کیا گیا ہے، اسی طرح بنی اسرائیل کے مخاصمہ کو سورۂ بقرہ کے وسط میں یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی سے شروع کر کے اسی پر ختم کیا گیا ہے۔ یہ کمال درجہ کی بلاغت ہے، ایسے ہی یہود ونصاریٰ کے مخاصمہ کو سورۂ آل عمران میں ان الدین عند اللہ الاسلام سے شروع فرما کر محل نزاع کو متعین فرما دیا تا کہ گفتگو کا مدار اسی دعویٰ پر رہے۔ (۱۰)

یہ مقدس اور از آغاز تا اختتام معجزہ کتاب قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے نوع انسانیت کی ہدایت ورہنمائی اور فلاح کے لئے نازل فرمائی ہے، جس طرح فقہ کا ایک عالم، آئمہ فقہاء کے تجویز کردہ قوانین استنباط واستخراج پر بھی کسی کتاب کا مطالعہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ طرق استنباط وتخریج غایت درجہ کی صحت کو پہنچے ہوئے ہیں تو اسے یقین آجاتا ہے کہ یہ آئمہ علم فقہ میں کامل دسترس رکھتے ہیں، اسی طرح احکام شریعت کے ایک عالم کو جب یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ نوع انسانیت کو زندگی گذارنے کے لئے کیا کیا بتانے کی ضرورت ہے پھر وہ قرآن مجید میں غور وتدبر کرتا ہے تو اسے یقین آجاتا ہے کہ ان احکام وعلوم کا بہترین انداز میں بیان ہونا بجز قرآن مجید کے کسی اور کتاب میں ممکن نہیں ہے اور تو وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ قرآن کریم کی خرق عادت فصاحت وبلاغت اور اسلوب بدیع معجزانہ ہے۔

نزول قرآن سے قبل اہل عرب کی فصاحت وبلاغت اوج ثریا پر کمندیں ڈال رہی تھی، اس فن میں اُن جیسی قدرت ومہارت کسی اور قوم کو نصیب نہیں تھی، اسی لئے وہ بطور تعلّی خود کو عرب اور اقوام دیگر کو عجمی کہتے تھے، اس فن میں ان کی یکتائی کا طرفہ یہ تھا کہ وہ مشکل سے مشکل ترین اور خوفناک مواقع میں بھی فی البدیہہ استعارات، تشبیہات اور تماثیل کا اظہار کرتے تھے لفظوں اور مطالب کے انحصار کا عالم یہ تھا کہ ہر وقت خطبے پڑھتے تھے،

میدان حرب وضرب میں تلواروں کی چھاؤں تلے رجزیہ اشعار تخلیق کرتے تھے، وہ اپنی سحر بیانی سے اپنے جوانوں کو شعلہ فشاں بنا دیتے تھے، شکستہ دلوں میں حوصلہ بھر دیتے تھے، اسلئے وہ برملا یہ دعویٰ کرتے تھے کہ سخن وری میں ہمارا مقابل ومماثل کوئی نہیں ہے ہم ہی اقلیم فصاحت وبلاغت کے شہسوار ہیں۔

اہل عرب کو ولایت فصاحت وبلاغت کی شہنشاہت کا دعویٰ تو تھا لیکن انواع فصاحت وبلاغت اور اصناف استعارات، تشبیہات، کنایات وتمثیلات اور اقسام ترغیب، ترہیب، تبشیر وتنذیر کا مرقع ومرصع کسی کا کلام (مجموعہ نظم ونثر) نہ تھا، اختلاف مضامین، اختلاف احوال اور اختلاف اغراض میں فرق اظہر من الشمس ہے، ان کے بعض فصحاء اگر مدح میں اعلیٰ پایہ کے ہیں تو ہجو گوئی میں انتہائی پست درجہ میں ہیں اور کچھ اس کے برعکس ہیں، اسی طرح کچھ مرثیہ گوئی میں

ید طولیٰ رکھتے ہیں تو غزل میں ثانی ہیں، پکھ رجز میں فائق ہیں تو قصیدے میں راحق ہیں یعنی فصحا
عرب کا ہر فصیح صرف ایک دو اصناف میں ہی قد آور نظر آتا ہے۔ بقول علامہ نور بخش توکلی، امر
القیس کو گھوڑے اور عورت کی توصیف میں سبقت حاصل تھی، اعشیٰ کو شراب کی تعریف میں تفوق
حاصل تھا، نابغہ کو ترہیب میں اور زہیر کو ترغیب میں شہرت حاصل تھی، ذوالرمہ تشبیب وتشبیہ میں
قدرت تامہ رکھتا تھا، فرزدق غزل میں بلند پایہ رکھتا تھا مگر تشبیب میں اسے کمال حاصل نہ تھا، جبکہ
جریر تشبیب میں بہت اچھا ہے۔ غرض کہ اختلاف احوال واغراض کے باعث انسان کا کلام مدح
وذم میں تقسیم ہو کر متفاوت ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں فصحاء وبلغاء عرب کا کلام فصل ووصل، عروج
ونزول، تقریب وتبعید وغیرہ میں بھی متفاوت ہے، اس کے برعکس قرآن مجید میں غور کیجیے باوجو
یکہ اس میں وجوہ خطاب مختلف ہیں، کہیں قصص ومواعظ ہیں، کہیں حلال وحرام کا ذکر ہے، کہیں
تنذیر وتبشیر ہے، کہیں وعدہ ووعید ہے، کہیں تخویف وتفہیم ہے، کہیں عبد ومعبود کا ذکر ہے، کہیں زمی
وآسمان کی تخلیق کا ذکر ہے اور کہیں اخلاق حسنہ کی تعلیم ہے باایں ہمہ قرآن مجید ہر فن میں فصاحت
وبلاغت کے خارق عادات بلند درجہ میں ہے۔(۱۱)

جزیرۃ العرب میں ساری دنیا کے مذاہب وعقائد موجود تھے، ہنود، یہود، نصاریٰ، مجو
، صابی، آفتاب ومہتاب پرست، ستارہ وحیوان پرست، اشجار واصنام پرست، تناسخیہ، دھریہ، مشبہ
ومجسمہ سب وہاں موجود تھے، اور اسی مہیب مرکز میں ایک کامل طبیب روحانی، بانی مذہب رحمانی
خاتم الانبیاء، منصہ شہود پر جلوہ گر ہوا، اور اپنی حیات مبارکہ کے چالیس سال ان کے درمیان
گذارے، ولادت سے چھ ماہ پہلے والد گرامی اور چھ سال بعد والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہو گیا، ا
در یتیم کی تعلیم وتعلم کا کوئی سلسلہ نہ ہو سکا، کیوں کہ مکہ میں کوئی مدرسہ ومکتب نہ تھا، کوئی کتب خا
ولائبریری نہ تھی، اور نہ وطن مالوف سے باہر جا کر حصول تعلیم کا اتفاق ہوا، لہذا حضور اکرم صلی ا
علیہ وسلم اگر کسی انسان کے تلمیذ ہوتے تو اہل مکہ کو ضرور معلوم ہوتا۔۔۔۔ پھر اس تلمیذ رحمان ـ
40 سال کی عمر میں نبوت کا اعلان فرمایا اور اپنی نبوت کے ثبوت میں اہل عرب کے تمام مذاہب
کے فصحا، بلغاء، اور خطباء، اور پیروکاروں کے سامنے جو کتاب پیش فرمائی وہ انہی کی زبان میں تھی
جس کے الفاظ وحروف کلام عرب کی جنس سے ہیں،

تراکیب، استعارات، تشبیہات، تمثیلات، تشریحات وغیرہ ان کے قصائد وخطبات میں مستعمل
ہیں، باایں ہمہ ان تمام مذاہب کے فصحا، بلغاء، اور خطباء وپیشواؤں نے اس کتاب کو بطور دلیل نبوت
اور منزل من اللہ تسلیم کرنے سے انکار کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الٰہی کی مطاوعت میں
منکرین سے اس کتاب کا معارضہ طلب کیا، اور طلب معارضہ کے چیلنج کو واشگاف لفظوں میں یوں
دہرایا:

قل لئن اجتمعت الانس والجن على ان يأتوا بمثل هذا القرآن لا يأتون بمثله ولو كان
بعضهم لبعض ظهيرا

کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان وجنات اس بات پر مجتمع ہو جائیں کہ وہ لائیں ایسا قرآن، تو وہ ایسا
قرآن نہیں لا سکتے،
چاہے وہ ایک دوسرے کی مدد کریں (۱۲)

وادی ام القریٰ کے امی لقب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب سے یہ معارضہ
احکامات، معاملات، اخلاقیات، اخبارات، پیش گوئیوں یا تذکیر وتاویل میں طلب نہیں کیا تھا اور
نہ ہی اس چیلنج میں ایسا کوئی اشارہ ہے، بلکہ اہل عرب جس فن میں مشاق تھے اسی فن میں ان سے
اس کتاب کا معارضہ طلب کیا تھا، پھر اسی امی لقب رسول نے فصحاء عرب کی معذوری کے پیش نظر
بالفاظ دیگر اپنے چیلنج کی ضخامت میں بے پناہ کمی کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اس قرآن جیسی مکمل کتاب
تو تخلیق نہیں کر سکتے، البتہ اگر ہمت ہے اور دعوائے فصاحت وبلاغت ہے تو اس جیسی دس سورتیں
ہی بنا کر دکھا دو:

فاتوا بعشر سور مثله مفتريت وادعوا من استطعتم من دون الله ان كنتم صدقين

پس تم بھی اس جیسی دس سورتیں بنا کر لاؤ، اور اگر ہمت ہے تو اللہ کے سوا جسے چاہو بلا لو اگر تم سچے ہو
(۱۳)

یعنی اے اہل عرب مجھے کہتے ہو کہ میں قرآن بنا لایا ہوں تو تم بھی اپنی فصاحت وبلاغت کے جوہر
آزماؤ اور اللہ کے سوا سب کو بلا کر ان کی مدد سے صرف دس سورتیں گھڑ کر دکھا دو، لیکن اہل عرب
اس کا بھی معارضہ پیش نہ کر سکے اور یہ بات سچ ثابت ہو گئی کہ انسانی کلام کبھی بھی الہامی کلام کی

مثل نہیں ہوسکتا، چنانچہ رحمت عالم، پیغمبر کائنات نے اس چیلنج میں مزید کمی کردی اور فرمایا

فاتو بسورة مثله وادعو امن استطعتم من دون الله انكنتم صدقين

پس تم اس جیسی ایک سورۃ ہی بنالاؤ اگر ہمت ہے تو، اور اللہ کے سوا جسے چاہو بلالو، اگر تم سچے ہو

(۱۴)

بقول علامہ نور بخش توکلی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ اور مدینہ میں کم وبیش 20 سال تک اہل عرب سے معارضہ طلب فرماتے رہے اور فاتو بسورة مثله سے تحدّی فرماتے رہے اور ساتھ ہی ولن تفعلوا (تم ہرگز ایسا نہیں کرسکتے) سے ان کو اکساتے اور غیرت دلاتے رہے، ان کو علی روس الاشہاد، جاہل، بے دین، بے عقل، گمراہ، بلکہ ان کے آباؤ اجداد کو بھی گمراہ کہتے رہے، ان کے معبودان باطلہ کو جہنم کا ایندھن کہتے رہے، ان کے جنگ میں متروکہ مال کو مسلمانوں کے لئے مال غنیمت قرار دیتے رہے، پھر ان کے شہر مکہ پر قبضہ ہوا، ان کے نامور سردار قتل ہوتے رہے، کچھ قیدی اور کچھ غلام بنتے رہے، ان کے معبودوں کے مجسمے ٹوٹتے رہے، اور کعبہ بدر ہوتے رہے، اہل عرب اگر چاہتے تو قرآن جیسی ایک چھوٹی سی صورت بنا کر اس تمام خواری، ذلت ورسوائی سے بچ سکتے تھے، مگر 20 سال تک اُن کا اس ذلت ورسوائی کو برداشت کرنا صاف بتا رہا ہے کہ وہ ایک سورت کا معارضہ پیش کرنے سے بھی قاصر رہے، اور قرآن مجید کی یہی خرق عادات فصاحت وبلاغت ہے اور یہی اس کا اعجاز ہے (ملخصا 15)

قرآن مجید کی سب سے چھوٹی سورت، سورۃ کوثر جو تین آیات، دس الفاظ اور اکتالیس حروف پر مشتمل ہے، اس میں خرق عادات (معجزانہ) فصاحت وبلاغت اور اسلوب بدیع کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس سورۃ میں بائیس (۲۲) بدیع حکمتیں اور چار پیش گوئیاں موجود ہیں، گویا اس کا ہر لفظ خرق عادت ادبیت اور فصاحت وبلاغت کا آئینہ دار ہے اور یہی کیفیت پورے قرآن میں موجود ہے، تو معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے الفاظ کی تعداد (77934) کے مساوی بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ انواع ادبیت اور اصناف صنائع وبدائع قرآن میں موجود ہیں، اسی طرح مختلف مفسرین کی تخریج کے مطابق قرآن میں تقریباً تیرہ ھزار معجزات ہیں۔ تو گویا اتنی ہی تعداد میں قرآن کریم میں انواع فصاحت وبلاغت بھی ہیں۔

مشکوۃ شریف کی ایک حدیث کے مطابق سورہ کوثر میں کی گئی چاروں پیش گوئیاں من و عن پوری ہوئیں (16) صاحب تفسیر کشاف جاراللہ زمخشری نے سورہ کوثر کی خرق عادات ادبیت پر ایک کتاب تحریر فرمائی تھی جس کی تلخیص کرکے امام فخرالدین رازی نے اس کا نام "نہایۃ الاعجاز فی درایت الاعجاز" رکھا تھا، سورہ کوثر کے حوالے سے امام فخرالدین رازی نے جو صنائع بدائع تحریر فرمائے ہیں۔ ہم اس کا خلاصہ اپنے لفظوں میں لکھ رہے ہیں:

<u>انا اعطینک الکوثر</u> (اس میں آٹھ بدائع ہیں)

(۱) (الف) یہ جملہ عظیم نعمتیں عطاء کرنے والے معطی عظیم کی طرف سے عطائے کثیر پر شاھد ہے یعنی اس منعم حقیقی کا عطیہ بھی نعمت کثیر وکبیر ہے۔

(ب) کوثر سے مراد قیامت تک کے مومنین امت ہیں۔

(ج) کوثر سے مراد وہ فضائل، خواص، محاسن ومکارم ہیں جو منجانب اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مرحمت وتفویض ہوئے، ان ارفع واعلیٰ عطیات کی ماہیت وحقیقت صرف منعم جانتا ہے یا منعم علیہ۔

(د) کوثر سے مراد نہر کوثر یا حوض کوثر ہے۔

(۲) اسم (انا) کی تقدیم مفید تخصیص ہے یعنی یہ خیر کثیر صرف ہم نے ہی عطاء کی ہے۔

زمخشری کے اس قول پر امام رازی تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں تحقیق یہ ہے کہ یہاں اسم (انا) یعنی محدث عنہ کی تقدیم مفید تخصیص نہیں، بلکہ یہ تقدیم اثبات خبر کیلئے زیادہ موزوں و موکد ہے۔ اسلئے کہ جب اسم (محدث عنہ) کا ذکر مقدم ہو تو سامع کو خبر کی سماعت کا شوق پیدا ہوتا ہے، اور اس کا ذہن وہ خبر ایسے قبول کرتا ہے جیسے محب، محبوب کو قبول وپسند کرتا ہے، لھذا اس مقام پر اسم کی تقدیم تخصیص کیلئے نہیں ہے بلکہ اثبات خبر کو موکد کرنے کیلئے ہے۔

(۳) عظمت ربوبیت کے اظہار کیلئے ضمیر متکلم کو جمع کے صیغہ میں لایا گیا ہے۔

(۴) جملہ کے ابتداء میں جو حرف تاکید ہے وہ قسم کے قائم مقام ہے۔

(۵) فعل کو ماضی کے صیغہ میں لانے سے مطلب یہ ہے کہ معطی کریم کی عطائے عاجلہ، بہر صورت واقع کے حکم میں ہو۔

(۶) کوثر کے موصوف کو فرطِ ابہام وشیاع کیلئے محذوف کیا گیا ہے۔

(۷) صفت وہ ذکر کی گئی ہے جس کے معنی میں کثرت ہے اور اسے اس کے صیغہ سے ہی معدول کیا گیا ہے۔

(۸) الکوثر پر لام تعریف اسلئے لایا گیا ہے تاکہ صفت اپنے موصوف کو شامل ہو، یعنی صفت و موصوف میں اتصال واتحاد ہو، اور اس کے معنی میں کثرت کامل ہو۔

<u>فصل لربک وانحر</u> (اس میں بھی آٹھ بدائع ہیں)

(۱) فصلِّ = اس میں فاء تعقیب مستعار ہے، تاکہ اسے درج ذیل دو باتوں کے معنی کیلئے سبب بنایا جائے۔

(الف) انعام کثیر۔۔۔ جو کہ منعم کے شکر وعبادت میں دائمی تسلسل کا سبب بن جائے۔

(ب) انعام کثیر۔۔۔ دشمن کی افواہوں کی پرواہ وفکر نہ کرنے کا سبب ہے۔ دشمن (شانی) عاص بن وائل نے کہا تھا ان محمداً صنبور یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کی کوئی اولاد نہ ہو گی، اسی قول کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی تھی۔

(ج) صنبور کا معنی ہے۔ خرما بن تنہا گانہ۔ مرد فرد بے بر، بے برادر، بے فرزند (17)

(۲) دو لام لانے کا مطلب ومقصد یہ ہے کہ عاص بن وائل اور اس کے ہم نواؤں کے دین پر تعریض ہو جائے اسلئے کہ ان کی عبادت وقربانی غیر اللہ کیلئے تھی، نیز اس سے مقصود یہ بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے طریق پر ثابت قدم رہیں اور اپنی عبادت وقربانی کو صرف ذات باری تعالیٰ کیلئے خالص ومختص کر دیں۔

(۳) صلوٰۃ اور نحر سے واضح ہے کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں (۱) خالص بدنی عبادت جن میں نماز سب سے مقدم ہے (۲) مالی عبادت جن میں اعلیٰ اونٹوں کی قربانی مقدم ہے۔

(۴) صلوٰۃ یعنی نماز اور اونٹوں کی قربانی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قلبی لگاؤ تھا، نماز کے حوالے سے آپ کا ارشاد ہے وَجُعِلَ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں

بتائی گئی ہے، نیز ایک روایت کے مطابق اونٹوں کی قربانی آپ کو محبوب تھی ایک دفعہ آپ نے اعلیٰ نسل کے سو اونٹ قربانی کیلئے بھیجے اور ان میں ابو جہل والا وہ قیمتی اونٹ بھی شامل تھا جسکی نکیل سونے کی تھی (18)

(۵) پہلے لام کی دلالت کے باعث دوسرے لام کو محذوف کیا گیا ہے۔

(۶) حق سجع کی رعایت ہے اور یہ من جملہ بدائع ہے یعنی قائل جسے بغیر کسی تکلف وتصنع کے طبعی طور پر فی البدیہہ لائے۔

(۷) لربک میں دو خوبیاں ہیں (۱) اس میں التفات ہے (۲) مضمر کی جگہ لفظ مظہر اسلئے استعمال کیا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی شانِ کبریائی اور اس کے غلبہ قدرت کا اظہار ہو۔

(۸) اس جملہ سے واضح ہوا کہ حق عبادت تو یہ ہے کہ بندہ اپنی عبادت کو اپنے رب اور منعم حقیقی کیلئے خاص کر دے۔ دوم یہ کہ جو بندہ اپنے رب کی عبادت کو ترک کر کے کسی اور کی عبادت کرتا ہے۔ اس کی اس خطاء پر تعریض کی گئی ہے۔

تعریض کا معنی ہے= ایک لفظ اپنے معنی میں مستعمل ہو مگر اس کے ساتھ ہی اسی لفظ سے دوسرے معنی کی طرف اشارہ کیا جائے (ملخصا 19)

<u>ان شانئک ھو الابتر</u> (اس جملہ میں پانچ بدائع ہیں)

(۱) یہ جملہ بر سبیل استیناف بیان کیا گیا ہے تاکہ حضور اکرم ﷺ صلوٰۃ اور نحر کے حکم کے باعث شانی 'دشمن' عاص بن وائل کی خرافات وہفوات وغیرہ کی طرف متوجہ نہ ہوں بلکہ خود عاص کو ہی لائق توجہ نہ سمجھیں، استیناف کا یہ استعمال بہت ہی خوب ہے اور قرآن مجید میں اکثر مقامات پر صنعت استیناف استعمال ہوئی ہے۔

(۲) ممکن ہے اغراض کے خاتمہ کیلئے سیاق حکمت پر یہ جملہ معترضہ لایا گیا ہو جیسے ان خیر من استاجرت القوی الامین (۲۰) میں ہے، یہاں شانی سے مراد عاص بن وائل ہے۔

(۳) یہاں شانی عاص کو اس کے نام سے نہیں بلکہ اس کی صفت سے ذکر کیا گیا ہے، تاکہ اس میں ہر وہ شخص آجائے جو دین حق اور پیغمبر برحق کی مخالفت میں عاص بن وائل کی مانند ہو۔

(۴) جملہ کے ابتداء میں حرف تاکید لا کر یہ واضح کیا گیا ہے کہ عاص کا قول مبنی بر کذب ہے